مفکرِ احرار چودھری افضل حق رحمہ اللہ

عبدالمجید قریشی
آخری قسط

میرا افسانہ

فرمایا! "کتنی سزا دوں؟" جواب دیا کہ حکومت کی نافرمانی کے مرض کی شدت ہے: اگر سزا اس مرض کی دوا ہے، تو پوری خوراک دیجئے! مجسٹریٹ نے ہنس کر کہا! "نہیں کم از کم سے شروع کیجئے یعنی چھ ماہ تک جیل یاترا"

وکلاء نے پوچھا: "قید محض ہے یا سخت؟"

کہا: "جیسا ان کا بخت"

اب میں ملزم سے مجرم بن گیا تھا لباس جیل سے بندے کو بندر بنانے کی کسر باقی تھی، وہ بھی پوری ہو گئی۔ شام کے قریب بھگت سنگھ کو چھل قدمی کے لیے کھولا گیا۔ ان کے ہاتھوں میں آبلے اور آنکھیں نمناک تھیں۔ عام طور پر اکثر اضلاع میں نمبردار نادار ہوتا ہے، مگر آپ کھاتے پیتے گھر کے خاصی جائیداد کے تن تنہا وارث تھے اور بیوہ ماں کے اکلوتے بیٹے۔ تحریک ترکِ موالات سے قبل آپ کی شان ملاحظہ طلب تھی۔ بوٹ، سوٹ، کالر، نکٹائی سے کام تھا۔ وہ افسر جس کے ہم رکاب ہوتے، ماتحت معلوم ہوتے۔

معافی موت تھی اور مشقت دشوار۔ میں نے انہیں ڈھارس دی کہ وقت کو خوش طبعی میں ٹالا کریں۔ میری کوشش رائیگاں نہ گئی۔ آپ پل بھر کے لیے تان توڑ خاں بن گئے اور با آواز بلند شبد گانے لگے۔

"اساں نہیں چھڈناں سوراج، سیس تک کر دینا قربان جیہڑا حوالات دا جنگلا، ہے اوہ قیدیاں دا بنگلہ جتھے کرنی ہے گزران، سیستک کر دینا قربان اسا نہیں چھڈناں سوراج!"

اگرچہ خوش گلوئی کی نعمت قدرت نے عطاء نہیں کی تھی، مگر میں وجد میں آ کر جھومنے لگا۔ اتنے میں داروغے نے آ کر ڈانٹا اور تنبیہہ کی۔

خفتگانِ خواب گراں کو سر شانہ ہلا کر جگاتی، تو جیل میں سب مصروف عبادت ہو جاتے۔ مسلمان نماز سے فارغ ہو کر تلاوت، ہندو سندھیا کے بعد گیتا اور سکھ شب کہتے۔ اس طرح سیاسی قیدیوں کی بارکیں برکت سے معمور رہتیں۔

گورنمنٹ رپورٹ کی طرح لوگ کوجیلوں میں بھر رہی تھی۔ کچھ وقت تو اوروں کی مزاج پرسی میں گزر جاتا۔ کچھ لوگوں مصروف مطالعہ رہتے اور کچھ بحث مباحثے میں وقت کاٹتے۔ بارہ بجے روٹی ملتی، پیٹ بھر کر سو جاتے۔ سو کر اٹھتے تو کھیل کود میں لگ جاتے۔ شام کے بعد پھر طعام۔ طعام کے خاتمے پر کلام اور پھر ختم کلام کے بعد آرام کی سوجھتی لیل و نہار کا یہی مختصر لائحہ عمل تھا، مگر رات اپنی گوناگوں دلفریبیوں میں دن سے بڑھ کر تھی۔ رات کے سے شاعر کا کلام اور خوش گلو کی زبان تاثیر میں سحر سامری سے زیادہ موثر ہو جاتی سب کے سب سرمست و بے قرار "ہائے وائے" کرتے، وجد میں آ کر جھومتے

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لیے ہے
پر غیب سے سامان بقا میرے لیے ہے
پیغام ملا تھا جو حسینؓ ابن علیؓ کو
خوش ہوں کہ پیغام بقا میرے لیے ہے

جب ماہ رمضان جیل میں مسلمانوں نے شکر سے مسی کھا کر اور صبر سے ٹھنڈا گھونٹ پی کر گزار لیا، تو اسیری میں عید آئی، ہلال کو دیکھ کر حسرتیں خون ہوئیں۔ صبح عید پر شام غربت سے زیادہ اداسی چھائی تھی۔ پانی کے بجائے پسینے سے نہا کر خدمت ایمان میں خلعت جیل پن پہنا کر اور حب وطن کی خوشبو لگا کر تیار ہوئے۔ سویوں کے بجائے جب چنے چبائے تو مجبوری نے بڑھ کر صدقہ اتارا۔ ہم سب آہستہ آہستہ تکبیر کہتے ہوئے میدان عید میں داخل ہوئے۔ اکثر کے گلے میں ہنسلیاں اور بعض کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ آج جو بے کسی میں سر سجدے میں گئے تو روٹھے معبود کو منا کر اٹھے۔

ہماری اس عید کو میر غلام بھیک نیرنگ نے یوں موزوں کیا تھا اور وہ "زمیندار" میں شائع ہوئی تھی۔

اے اسیران بلا عید مبارک تم کو
بادہ نوشان بلا عید مبارک تم کو
حق ماہ رمضاں بے سروسامانی میں
کر دیا تم نے ادا عید مبارک تم کو
وقت افطار و سرکھا کے چنے کی روٹی
صبر اور شکر کیا عید مبارک تم کو
اگر افطار میسر ہے سحر غائب ہے
کبھی ایسا بھی ہوا، عید مبارک تم کو

عید کی خوشی میں روٹی میں زیت اتنی زیادہ تھی کہ دانت سے دانت نہ لگتا تھا۔ سب کی یہی صلاح تھی کہ صاحب سپرنٹنڈنٹ کو توجہ دلائی جائے۔ اگلے روز باادب ان سے گزارش کی گئی اس وقت تو کسی غصے کا اظہار نہ ہوا، شام کو سپرنٹنڈنٹ بھوکا بن کر آئے۔ ڈاکٹر بھی ساتھ تھا۔ روٹی منگوا کر مجھے کھانے کو کہا اور خود بھی کھانے لگا۔ زیت کی آمیزش کا مجھے اب بھی اصرار اور اسے انکار تھا اتنے میں ڈاکٹر صاحب بولے: "تمہارے اصرار کے یہ معنی ہوئے کہ صاحب بہادر جھوٹ بولتے ہیں!" پھر کیا تھا، صاحب بہادر کو کپکپی چڑھ گئی اور غصے میں لال پیلے ہو کر چلے گئے۔ صبح آئے، مجھے بلایا اور بقیہ مدت قید کے لیے قید تنہائی کا حکم سنایا۔ میں اس وقت بالکل خاموش رہا۔ مجھے افسوس تھا کہ ایسا شریف آدمی بھی مجھ سے ناراض ہوا۔ میری سزا کے اگلے ہی روز انہوں نے میری صداقت کو تسلیم کر کے تمام پکی پکائی روٹیاں یہ کہہ کر پھنکوا دیں کہ واقعی اس آٹے میں ریت ہے اور روٹیاں بالکل ناقابل خوردنی ہیں، پھر خود مجھے آکر بتایا کہ آپ برسر حق ہیں میں نے اسی وقت سجدۂ شکر ادا کیا۔

میرے اس میں چوہے فلا بازیاں کھاتے رہتے۔ کبھی ایسی بے تکلفی برتتے کہ چھاتی پر چڑھ

آتے۔ آخر جانتے تھے کہ قیدی ہے ہمارا کیا کر لے گا! ان کی شوخی ایسی بڑھی کہ بوٹیاں نوچنے کی نوبت آئی۔ ایک رات میں ہاتھ سرہانے دیئے لیٹا ہی تھا کہ انگلی کاٹ کھائی سانپ سنپولیے کے شبے میں دھڑ دھڑا کر اٹھا ہاتھ میں جوتا لیا اور بستر کمبل اُلٹا سیدھا کیا۔ دل میں بڑا تردود کہ خدا خیر کرے۔ مگر جب پہاڑ کو کھودا، تو چوہیا نکلی اور جان میں جان آئی۔

ہر صبح اٹھ کر چوہوں کی سوراخ بندی میرا فرض ہو گیا۔ ان سے ذرا جان چھوٹی تو گلہری نے ستانا شروع کر دیا۔ مجھے دوپہر قیلولے کی عادت تھی۔ شاید آنکھ لگنے پر گلہری آنکھ لگائے رکھتی اور پلک جھپکتے ہی میرے چرخے کی ماہل گلوٹے کاٹ کاٹ کو ٹونبا ٹونبا بنا کر دیتی۔ یہ چھیڑ چھاڑ کئی دن تک جاری رہی۔ میں عدم تشدد کا حامی ہونے کی وجہ سے ہاتھ نہ اٹھاتا، مگر گلہری نے میرا ناک میں دم کر دیا تنگ آمد بجنگ آمد۔ ایک دن ہاتھ میں جوتا لے کر جھوٹ موٹ سو گیا گلہری دبے پاؤں آئی اور کارستانی شروع کر دی۔ میں نے آنکھ بچا کر جوتا اُچھالا پہلے تو لوٹ پوٹ ہو گئی پھر چڑچڑاتی بھاگی۔ ایک جوتا کھا کر پھر ادھر کا رخ نہ کیا۔ اس طرح عذاب سر سے ٹلا۔

اگرچہ اس جیل میں مچھر میرے گناہوں سے بھی زیادہ تھے، خوراک کی عنایت کہو یا مچھروں کی نظر کرم میرے جسم کو انہوں نے خوان یغما نہیں بنایا۔ بناتے بھی کیا، نہ ہڈی نہ بوٹی، نہ جسم میں قطرۂ خون۔ جب اور موٹے موٹے سیاسی قیدی یہاں آتے، تو یہ خون خرابے تک نوبت پہنچاتے۔ وہ ایک رات میں ہی تنگ آجایا کرتے تھے جسم پر نگاہ نہ رکھیں، تو مچھر کھائیں، کمبل اوڑھیں تو مارے گرمی کے نیند نہ آئے۔ ساری رات "ہائے وائے" کرتے اور پنکھا جھلتے کٹتی۔

برسات یوں تو برس ہا برس سے آتی ہے، مگر اس برس اس کا رنگ اور تھا کوٹھڑی میں پڑے پڑے گرمی نے جلا کر کباب کر دیا۔ ناگاہ گھٹا زلف یار سے زیادہ سیاہ اک اداء سے ٹھنڈی ہوا کا شانہ پکڑ کر اٹھی، اٹھکیلیاں کرتی آگے بڑھی اور مصحف عالم پر چھا گئی۔ بجلی بادل سے ہنسی، بارش کے موتی زمین کے دامن پر گرے گرد و غبار سے آلود برگ شجر نہائے نکھرے قیدیوں کی قسمت نے خوشگوار پلٹا کھایا۔ میٹھا منہ لگے مہینے گزر گئے تھے۔ آم کی بہار تھی۔ ایک دن میرا جی آموں کو للچا رہا تھا۔ گھٹا اٹھی، برسی بادل کھل گیا۔ میری کوٹھڑی کے سامنے نیم کا درخت تھا۔ نمولیاں بارش سے نہا کر پتوں میں چھپی ایسی معلوم ہو رہی تھیں گویا کوئی حسین سبز چلمن کے پیچھے زرد لباس زیب تن کیے کھڑا جھانک رہا ہے۔ میں بے تابی سے بھڑا۔ منہ لگاتے ہی مزے میں آم کو بھولا۔ جب تک موسم رہا نمولیوں سے منہ ملاحظہ رہا۔ روٹی بھی نمولیوں سے کھاتا اور بغیر ان کے کھانے کا مزا نہ آتا۔ میری دیکھا، دیکھا اوروں کو بھی شوق ہو گیا۔ نمولیاں گویا اس جیل کے آم تھے کہ ساری برسات منہ سے نہ چھوٹیں۔

قیدی پولیس افسر کی جیل میں جو درگت ہوتی ہے، اس کو خدا ہی جانتا ہے۔ کون قیدی ہے جس کا اس غریب کی شکل دیکھ کر ہاتھ نہیں کھجلاتا اور بے چارے کی چندیا پر چپت نہیں جماتا۔ گالیوں کا تو ذکر ہی کیا۔ گال مار مار کر لال کر دیئے جاتے۔ دانوں کی بوریاں اٹھوائی جاتیں۔ بوری اگر گر جاتی، تو نگران کار قیدی جوتا اتار کر دھڑا دھڑ سو گنتا۔ جب ننانوے پر پہنچتا، تو جان بوجھ کر گنتی بھول جاتا اور پھر ایک دو سے شروع کر دیتا۔ جو اس طرح انتقام پورا نہ ہوتا، تو منہ میں جوتے دیئے جاتے۔۔۔۔ جس افسر کا پیٹ بھرا ہوتا، اس پر لاتیں مار مار کر کہتے کہ اس

میں ہمارے گاؤں کے تمام مرغ جمع ہیں۔ مونچھوں سے پکڑ کر جیل میں کھینچے پھرتے اور جھولا جھلاتے اور جھلا جھلا کر پتھر کی طرح پرے پھینک دیتے۔

خدا کا احسان ہے کہ میں دوسرے رنگ میں موجود تھا۔ ایک روز انبالہ جیل میں میں بھی غلطی سے ان کا شکار ہونے لگا تھا فیروز پور جیل سے ایک چالی قیدیوں کی آئی ان کے کان میں بھنک پڑی کہ ایک تھانیدار یہاں موجود ہے۔ ان کی صلاح ہوئی کہ چلو چل کر دستور پورا کریں۔ کسی پرانے قیدی کو خبر ہوئی تو اس نے روکا کہ اب وہ سرکاری تھانیدار نہیں ہمارا تھانیدار ہے۔۔ یہ سن کر وہ سب میرے پاس آئے اور پاؤں چھوئے۔

ایک روز ایک نمبردار میرے پاس آیا اور پوچھا کہ آپ نے کسی ڈاکے میں مل سنگھ وغیرہ کا چالان بھی کیا تھا۔ میں چونکا الہیٰ خیر! پوچھنے پر اس نے بتایا کہ مل سنگھ یہاں نمبردار ہو آیا ہے اور کل وہ آپ سے ملنے کے لیے آئے گا۔ میں نے تمام دن بے چینی سے گزارا اور رات بھر نیند بھی نہ آئی۔

میری تشویش بے جا نہ تھی۔ اس شخص کا میں نے مع اس کے چھ رفقا کے ڈکیتی میں چالان کیا تھا اور سوائے سرگروہ کے جس کو ۳۳ سال سزا ہوئی، سب پانچ پانچ سال سزا یاب ہوئے تھے۔ اس سب انسپکٹر کی بد قسمتی کا کیا ذکر جس کے سر پر وہ نمبردار ہو کر آئے جسے اس نے سزا دلائی ہو۔ یک بیک مل سنگھ سامنے آتا دکھائی دیا۔ وہ میرے پاس آکر کھڑا ہو گیا۔ میں اس کو دیکھ کر خاموش تھا اور وہ مجھ کو دیکھ کر چپ۔ میں اس کے ہاتھوں کو دیکھتا تھا کہ کب وہ مجھ پر اٹھتے ہیں۔ لیکن اس کبریا کی شان دیکھئے! جس سے بدی کا قوی احتمال تھا، اس نے اپنا سر میرے پاؤں پر رکھ دیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور کہا کہ آپ کا کیا سے کیا حال ہو گیا۔

میرے ساتھ اسے اتنی عقیدت ہو گئی کہ وہ جیل میں جو امکانی خدمت میری کر سکتا تھا، کرتا ابتدا میں دودھ چُرا کر میرے لیے لاتا اور اصرار کرتا کہ ضرور پی لیں۔ پیاز جو جیل خانے کی بہترین نعمت تصور کی جاتی ہے، آنکھ بچا کر لنگر خانے سے اٹھا لاتا تاکہ روٹی کے ساتھ کھائیں۔ جیل کی روشوں سے پھول توڑ کر لاتا اسے خیال نہ تھا کہ چوری جرم ہے، اس لیے کبھی وہ ایسی چیزیں لاتا، تو میں لینے سے انکار کر دیتا، اول اول میرا انکار اس کی دل شکنی کا باعث ہوا، مگر جب میں نے اس کے جرم اور ذمے داری کی وضاحت کی تو اس کی عقیدت بیش از بیش ہو گئی۔

بقیہ از صفحہ ۴۵

بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکار میں مصروف رہا اور جب تموں کے گزر پر مفسدوں کا سرکاری انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا"۔

(اشتہار مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۸۹۷ء صفحہ ۳-۶ ملحق بکتاب البریہ)

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ مسئلہ جہاد کو حرام کرنے اور اس مسئلہ کو لوگوں کے ذہن و قلب سے نکالنے کے لئے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جو نبوت کا دعویٰ کر کے اس مسئلہ کو حرام قرار دیتا تاکہ کوئی بھی کلمہ گو انگریزوں کے خلاف بغاوت کرنے کا خیال بھی اپنے ذہن میں نہ لاتا۔ انگریزوں کی نگاہ اس پرانے کاسہ لیس خاندان پر پڑی جس نے ہر آڑے وقت میں مسلم قوم سے غداری اور انگریزوں کی وفاداری کا دم بھرا۔